رضوان اللہ

ختم شد

(۱)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ ''اشراق'' میں ایک تحریر ''ابراہیم ذریت نوح نہیں: قرآن کا ایک انکشاف'' کے عنوان سے شائع ہوئی[۱]۔ ہم قرآن کے ایک ادنیٰ سے طالب علم ہیں، اس لیے قرآن کے حوالے سے لکھی گئی تحریریں ہمیں خاص طور پر اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ چنانچہ اسے پہلی فرصت میں دیکھا اور کم سے کم دو مرتبہ نہایت دقت نظر سے پڑھ ڈالا۔ اسے پڑھ لینے کے بعد دل میں ایک بے ضرر سی خواہش پیدا ہوئی کہ کیا ہی اچھا ہوتا جو اس کے عنوان میں لفظ 'قرآن' کے بجاے مصنف کا اپنا نام لکھ دیا گیا ہوتا۔ اسی وقت سوچا کہ قلم اٹھایا جائے اور اس انکشاف کی حقیقت خود قرآن کی روشنی میں واضح کر دی جائے۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ مختلف ذرائع ابلاغ پر ہونے والی اس کی تشہیر ہماری نظر سے گزری کہ جس میں اسے مکتب فراہی کی نمایندہ تحریر کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا۔ یہ سب دیکھ کر اب ہمیں باقاعدہ پریشانی لاحق ہو گئی، اس لیے کہ اس میں اپنائے گئے طرز استدلال کا فراہی اصولوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ بلکہ اپنی زندگی کے چند ماہ و سال جو ہم نے فکر فراہی کو سمجھنے میں گزارے ہیں، ان کی بنا پر ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے تھے کہ اس کے اصول تو وجود ہی میں اس لیے آئے تھے کہ اس طرح کے طریق استدلال کا قلع قمع کیا جائے۔ سو ہم نے فیصلہ کر لیا کہ اس کے جواب میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھیں گے تاکہ

۱۔ ماہنامہ ''اشراق''، ستمبر ۲۰۱۸ء۔

اس طرح کے نتائج فکر کا بار قرآن پر اور فہم قرآن کے ان سنہری اصولوں پر ہرگز نہ آنے پائے۔

جواب لکھتے ہوئے ہم نے شعوری کوشش کی کہ صاحب تحریر کو براہ راست مخاطب نہ کیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے ہر مقام پر اُن کا موقف بیان کرتے ہوئے ''بعض اہل علم'' اور ''بعض حضرات'' جیسے عام اور اپنے اندر کوئی تخصیص اور واضح اشارہ نہ رکھنے والے الفاظ استعمال کیے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کیا کہ اپنی تحریر کو کسی قسم کا جوابی نام دینے کے بجاے اسے ''واقعۂ نوح'' کا عنوان دیا اور اسے بالکل عمومی رنگ میں بیان کیا[۲]۔ یعنی واقعۂ نوح کے ذیل میں چند سوالات متعین کیے اور ان کا تفصیلی جواب لکھ دیا۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کیا سب انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے؟ طوفان نوح کیا پوری زمین پر آیا؟ اُن کی کشتی میں کون سوار ہوئے؟ کیا نوح کے اہل محض اہل ہونے کی بنا پر سوار ہوئے؟ آج کے سب انسان کس کی اولاد ہیں؟ اور سیدنا ابراہیم کیا واقعی حضرت نوح کی نسل سے ہیں؟ مزید ہم نے یہ کیا کہ ان کے بنیادی استدلال پر کوئی نقد کرنے کے بجاے اپنی بات اثباتی طور پر بیان کر دینے پر اکتفا کیا اور لکھا کہ قرآن نے ان کے مزعومہ انکشاف کے برعکس، واضح طور پر بتا دیا ہوا ہے کہ ابراہیم واقعتاً حضرت نوح کی اولاد ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہم نے جو مثبت اسلوب اختیار کیا تو اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس سے مقابلے کی نفسیات پیدا نہ ہو جو اکثر و بیش تر صحیح بات مان لینے میں رکاوٹ ہو جایا کرتی ہے۔ چنانچہ بڑی امید تھی کہ اس معاملے میں ہماری پیش کردہ صریح آیت کے بعد اگر ان کی طرف سے اعتراف حقیقت نہ بھی ہوا تو کم سے کم یہ ضرور ہو گا کہ وہ اس انکشاف کو دوبارہ سے مستور کریں گے اور وادی عدم کی طرف ہانک دیں گے۔ مگر بدقسمتی سے ہماری یہ امید بر نہ آئی اور اُن کی طرف سے ''نوح اور ابراہیم: نقد احباب کا جائزہ'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کر دیا گیا[۳]۔ اس میں انھوں نے اپنے موقف کو پھر سے دہرایا۔ اس قدر صریح آیت پر بھی سوالات اٹھا دیے۔ اور اس خوشی کا اظہار بھی کیا کہ اُن کے استدلال کی غلطی کو واضح نہیں کیا گیا۔ بہر حال، یہ کوئی ناروا بات نہیں تھی، یہ ان کا فطری حق تھا کہ جب تک بات اُن پر ہر لحاظ سے واضح نہ ہو جائے، وہ اسے مسلسل زیر بحث لاتے رہیں۔

ان کا یہ انکشاف، اگر مان بھی لیا جاتا تو یہ صرف ایک علمی اور تاریخی بحث ہوتی اور دین کے احکام پر اس کا کوئی خاص اثر نہ پڑتا۔ مگر اس ذیل میں ان کی طرف سے دو مزید بحثوں پر اصرار کیا گیا جو ہمارے نزدیک بڑے

۲۔ ماہنامہ ''اشراق''، نومبر ۲۰۱۸ء۔

۳۔ ماہنامہ ''اشراق''، دسمبر ۲۰۱۸ء۔

دور رس نتائج کی حامل تھیں۔ ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کے کردار پر سوال اٹھانا۔ اور دوسرے نجات کے معاملے میں انبیا کے حسب نسب کو ہر لحاظ سے کافی سمجھ لینا۔ ظاہر ہے، یہ دونوں باتیں دین اسلام کے کسی بھی طالب علم کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتیں، خاص کر یہ کہنا کہ خدا کے عدل اور اس کے عذاب سے بعض نسب مستثنیٰ قرار دے دیے گئے ہیں۔ سو اب ہمارے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ ان تینوں مباحث پر مستقل طور پر لکھیں اور درست بات لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ چنانچہ اگلے شماروں میں ہم نے مستقل عنوانات کے تحت تین مسلسل مضامین لکھ دیے: ''سیدنا ابراہیم حضرت نوح کی اولاد ہیں''،[۴] ''ایمان ہی نجات کی دلیل ہے'' اور ''امرأۃ نوح''۔[۵] ہم نے ان میں بڑی تفصیل سے ان حضرات کے استدلالات کی غلطی واضح کرنے کی سعی کی اور اپنے استدلال پر اٹھائے گئے تمام سوالات کا تشفی بخش جواب بھی دیا۔ ان میں بھی یہ اہتمام کیا کہ بحث کا اسلوب ہرگز اختیار نہ کیا جائے اور فقط آیات کی درست تفہیم لوگوں کے سامنے پیش کر دی جائے۔ تعداد میں تین اور اس قدر تفصیلی مضامین لکھ دینے کے بعد خیال یہی تھا کہ اتمام حجت ہو گیا ہے، اور یہ بحث بھی اب ختم ہو گئی ہے۔ مگر ان کی طرف سے ایک مضمون ''ابراہیم ذریت نوح: مناظرہ یا استدلال''[۶] شائع ہوا اور اس کے انداز بیان کو دیکھتے ہی واضح ہو گیا کہ ہماری طرف سے اتمام حجت ہوا تھا، مگر ''عذاب'' اترنے کا مرحلہ ابھی باقی تھا جو اس اشاعت کے بعد اب جا کر پورا ہوا۔

اس مضمون کے اسلوب نگارش پر کوئی تبصرہ کرنے کے بجاے ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ اس میں ہماری کم علمی پر جو بھرپور قسم کے تبصرے اور ہماری کم مائیگی کے بارے میں جو بھی فرامین ارشاد ہوئے ہیں، وہ سب کے سب بجا ہیں اور ان میں کچھ بھی غلط نہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم ان کی توقعات سے بھی کہیں بڑھ کر بے علم اور کم مایہ ہیں اور دوسروں سے زیادہ خود اپنی نالائقیوں سے واقف ہیں۔ اور جہاں تک ہم پر الزام لگانے اور ہماری نیت اور ایمان پر مذہبی فتوے صادر کرنے کا معاملہ ہے تو ہمیں ان کے جواب میں بھی کوئی الزام اور فتویٰ ہرگز نہیں لگانا ہے۔ اس لیے کہ اس رویے کا قائل ہونا تو بہت دور کی بات، ہم تو اس کے مخالفین میں سے ہیں اور اپنی ایک کتاب میں اس پر باقاعدہ لکھ بھی چکے ہیں۔ بلکہ ہماری طرف سے یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ اس

۴۔ ماہنامہ ''اشراق''، فروری ۲۰۱۹ء۔

۵۔ ماہنامہ ''اشراق''، مارچ ۲۰۱۹ء۔

۶۔ ماہنامہ ''اشراق''، اپریل ۲۰۱۹ء۔

بنیاد پر ہم آخرت کی عدالت میں استغاثہ پیش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ان حضرات سے جو حسن ظن ہے، اس بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ اس شدت کے پیچھے ضرور کوئی نہ کوئی خیر کا داعیہ رہا ہو گا۔ آخر بہت سے لوگ دینی غیرت اور اُس کی حمیت میں بھی اس طرح کے فتوے لگا دیا کرتے ہیں اور اس کی کئی مثالیں ہمیں بزرگوں کے ہاں بھی ملتی ہیں اور اُن کے ہاں بھی جو عمر میں بزرگ ہو جاتے ہیں۔

بہر حال، ہماری گزارش ہے کہ اس مضمون کے اسلوب بیان اور اس کی شدت کو یک سر نظر انداز کر دیا جائے اور صرف اس کے استدلال کو اپنے سامنے رکھا جائے[۷]۔ ہمیں امید ہے کہ جو طالب علم پورے سلسلۂ مضامین کو دیکھتے آئے ہیں، اُن پر فریقین میں سے ہر ایک کے استدلال کی قوت اور کم زوری بالکل واضح ہو چکی ہو گی۔ تاہم، اس نئے مضمون کے تناظر میں بھی اگر کوئی شخص ہمارے استدلال کی درستی کو سمجھنا چاہے تو ہم عرض کریں گے کہ وہ ہمارے مضامین کو ایک ترتیب کے ساتھ دوبارہ پڑھے۔ اور اگر اس کے بعد بھی تشنگی محسوس ہو تو کچھ اور دیکھنے کے بجاے انھیں ہی دقت نظر سے سہ بارہ پڑھ ڈالے کہ ان کی نئی باتوں کا جواب بھی کسی نہ کسی صورت میں ان مضامین کے اندر موجود ہے اور اسے کچھ غور و فکر کرنے کے بعد خود ہی جان لیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ہم تجویز کریں گے کہ اگر دونوں طرف سے لکھے گئے تمام مضامین کو اسی ترتیب سے ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے تو یہ بہت اچھا ہو۔ اس سے وہ طالب علم جو فکر فراہی سے متعارف ہونا چاہتے ہیں، انھیں جس طرح یہ سیکھنے کو ملے گا کہ مکتب فراہی کا اصل طریق استدلال کیا ہے، اسی طرح وہ یہ بھی جان سکیں گے کہ مکتب فراہی کا طریق استدلال کیا نہیں ہے۔

ان حضرات کی طرف سے اس مضمون میں اعلان کیا گیا ہے کہ وہ اس بحث کو ختم کر رہے ہیں۔ ہم بھی چاہتے تھے کہ مزید لکھنے کے بجاے اس سلسلے کو یہیں ختم کر دیں۔ لیکن سبھی لوگ اعلیٰ درجے کے ذہین اور معاملہ فہم نہیں ہوتے، اس لیے اپنے جیسے ان قارئین کے لیے ہم نے اس پر دوبارہ سے، لیکن ایک نئے زاویے

۷۔ یہ سطور لکھی جا چکی تھیں کہ ''اشراق''، مئی ۲۰۱۹ء میں ان حضرات کی طرف سے ایک اعتذار شائع ہوا اور کہا گیا کہ ان کے لکھے ہوئے سخت جملوں سے صرف نظر کیا جائے۔ ہم بتانا چاہتے ہیں کہ الحمد للہ، اس معاملے میں ہم پہلے سے دو فیصلے کر چکے تھے۔ ایک یہ کہ اپنی ذات پر کی جانے والی تنقید کے جواب میں ان پر تنقید کا ایک حرف نہ لکھیں گے۔ دوسرے یہ کہ ان کے استدلال کی حقیقت واضح کرنے میں کوئی کسر بھی نہ اٹھا رکھیں گے کہ ایسا کرنا ہم پر لازم بھی ہے اور مستقبل میں اس طرح کے انکشافات کا راستہ روکنے کے لیے حد درجہ معاون بھی۔

سے لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ ہدف صرف یہ ہے کہ اس بکھر گئی بحث کو سمیٹ دیا جائے اور نئے مضمون میں اٹھائے گئے اعتراضات کو شامل کرتے ہوئے مذکورہ تین عنوانات پر نہایت اختصار سے، مگر جامع انداز میں گفتگو کر دی جائے۔ یعنی، ''سیدنا ابراہیم حضرت نوح کی اولاد ہیں''، ''ایمان ہی نجات کی دلیل ہے'' اور ''امرأة نوح''۔

۱۔ سیدنا ابراہیم حضرت نوح کی اولاد ہیں

یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ سیدنا ابراہیم حضرت نوح کی اولاد ہیں۔ بنی اسرائیل جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، ان سمیت ہم سب مسلمان اس بات کو ایک تاریخی مسلمہ کی حیثیت سے نقل کرتے ہیں اور مزید یہ کہ ہماری مذہبی کتابیں بھی اس کی پوری پوری تائید کرتی ہیں۔ اس طرح کی محکم تاریخ پر ہم جانتے ہیں کہ کوئی سوال نہیں اٹھایا جاتا، بلکہ عام طور پر اسے تسلیم کیا جاتا اور اسی پر تمام علمی مقدمات کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس کا انکار کر دینے کی ایک ہی جائز صورت ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی ٹھوس علمی دلیل سامنے آ جائے۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جن حضرات نے اس کے بالکل برخلاف دعویٰ کر دیا ہے، وہ اس کے ثبوت کے لیے تاریخ میں سے کوئی حسی یا علمی دلیل لاتے یا کم سے کم مذہبی مصادر میں سے کوئی صریح نص پیش کرتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اس معاملے میں کوئی بھی واضح چیز پیش کرنے کے بجاے ایک آیت سے محض استدلال کیا ہے۔ اور استدلال بھی اس طرح کا کیا ہے کہ اس میں منطق کا غلبہ اور نطق اور کلام کی نزاکتوں سے صاف طور پر اعراض ہو گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''انکشاف'' کی دلیل

ان کی پیش کردہ آیت یہ ہے:

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا. ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۲-۳)

''ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کو انھی بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا تھا، اس تاکید کے ساتھ کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔ اے ان لوگوں کی اولاد جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ (ہمارا) ایک شکر گزار بندہ تھا۔''

اس آیت کو بار بار پڑھ کر دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اس میں یہ بات کہیں بیان نہیں ہوئی کہ ''ابراہیم نوح کی اولاد

نہیں ہیں''۔ بلکہ یہ بات کسی اور پیرائے اور اسلوب میں بھی ہرگز بیان نہیں ہوئی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کو اپنا دعویٰ ثابت کر دکھانے کے لیے اس آیت سے بہت دور کا استدلال لانا پڑا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر بنی اسرائیل نوح کی اولاد ہیں تو اس کے لیے 'ذریۃ نوح' آنا چاہیے تھا۔ مگر اس کے بجاے چونکہ 'ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' لایا گیا ہے، چنانچہ اس کا مطلب ہے کہ قرآن یہاں انکشاف کرنا چاہتا ہے کہ بنی اسرائیل اولاد نوح میں سے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ جب کشتی میں دیگر مومنین بھی سوار ہوں اور ان کے ہوتے ہوئے یہ کہا جائے کہ ''یہ نوح کے ہم سوار کی اولاد ہے'' تو اس سے مذکورہ شخص کے اولاد نوح میں سے ہونے کی نفی ہو جاتی ہے۔

مغالطے

بڑی ہی محکم اور مذہبی تائید رکھنے والی تاریخ کے خلاف یہ ان کی طرف سے پیش کیا گیا محض استدلال ہے اور غور کیا جائے تو یہ تین بڑے مغالطوں پر مشتمل ہے:

۱۔ یہاں 'ذریۃ نوح' آنا چاہیے تھا، مگر اس کے بجاے 'ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' کا اسلوب لایا گیا ہے۔

۲۔ جب کہا جائے کہ ''یہ نوح کے ہم سوار کی اولاد ہے'' تو اس سے مذکورہ شخص کے اولاد نوح میں سے ہونے کی نفی ہو جاتی ہے۔

۳۔ اس آیت میں قرآن نے ایک انکشاف کیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ازالہ

ان مغالطوں کے جواب میں اگر ذیل کی چند باتیں سامنے رکھی جائیں تو ان سب کا آپ سے آپ ازالہ ہو جاتا ہے:

۱۔ یہاں 'ذریۃ نوح' آنا چاہیے تھا، مگر اس کے بجاے 'ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' کا اسلوب لایا گیا ہے، ان حضرات کی یہ بات سراسر ایک مغالطہ ہے۔ ایک تو اس لیے کہ متکلم بنی اسرائیل سے جو بات کہنا چاہتا ہے، اس لحاظ سے یہ دونوں اسالیب ایک جیسے ہیں۔ یعنی، جس طرح یہاں 'ذریۃ نوح' لایا جا سکتا ہے، اسی طرح 'ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' کہنا بھی بالکل درست ہے اور اصل مدعا کے لحاظ سے اس میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ دوسرے اس لیے کہ اس آیت میں 'ذریۃ نوح' نہیں، بلکہ 'ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' لانا ہی زیادہ بہتر تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے حسب نسب کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ اس

مناسبت سے ہم کہیں کہ اولاد نوح کا ذکر صراحت سے ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ اس مقام پر انھیں توحید کے معاملے میں تنبیہ کرنا مقصود ہے اور بآسانی جان لیا جا سکتا ہے کہ دوسرے اسلوب میں اس منشا کی رعایت نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے۔ یعنی بجاے اس کے کہ انھیں 'ذریۃ نوح' کہہ کر خطاب کیا جاتا اور اس میں صرف یہ یاد دہانی ہوتی کہ وہ اُس نوح سے نسبی تعلق رکھتے ہیں جو خدا کا توحید پرست بندہ تھا، انھیں 'ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' کے الفاظ میں یہ تنبیہ بھی کر دی گئی کہ وہ ان لوگوں کی اولاد ہیں جو توحید ہی پر کاربند رہنے کی وجہ سے اس قابل ٹھیرے تھے کہ نوح کے ساتھ اُن کی کشتی میں سوار ہوں اور اس طرح مشرکین پر آنے والے عذاب سے نجات پائیں۔

۲۔ 'ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' کے اسلوب کے بارے میں دعویٰ کرنا کہ یہ قطعی طور پر بنی اسرائیل کے اولاد نوح میں سے ہونے کی نفی کر رہا ہے، یہ بھی صریح ترین مغالطہ ہے جو ان حضرات کو لاحق ہو گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب کہا جائے کہ ''یہ نوح کے ہم سوار کی اولاد ہے'' تو اس سے مذکورہ شخص کے اولاد نوح میں سے ہونے کی نفی ہو جاتی ہے۔ دراں حالیکہ اس اسلوب میں اس طرح کی نفی کرنے کی کوئی صلاحیت موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے ذریعے سے ان تمام لوگوں کو خطاب کرنا جائز ہے جن پر نوح کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے کا یہ وصف کسی نہ کسی درجے میں صادق آتا ہو۔ یعنی، یہ ایک ہی وقت میں جس طرح غیر اولاد کو خطاب کرنے کے لیے درست ہے، اسی طرح حضرت نوح کی وہ اولاد جو اُن کی معیت میں کشتی میں سوار ہوئی، انھیں خطاب کرنے کے لیے بھی بالکل موزوں ہے اور زبان کے کسی قاعدے کی رو سے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس بات کو ہم نے ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ابن حنبل کے بیٹے عبداللہ، جنھوں نے دوسرے شاگردوں کے ساتھ اپنے باپ سے حدیث کا درس لیا، اُن کی اولاد سے بھی اس جملے میں خطاب کرنا ہر طرح سے روا ہے کہ ''اے اُن لوگوں کی اولاد جو ابن حنبل سے پڑھتے رہے۔'' ظاہر ہے، کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرے گا کہ محض ان الفاظ سے اس بات کی نفی ہو گئی ہے کہ یہ بچے عبداللہ کے نہیں ہیں؟ اور نہ وہ اس سے آگے بڑھ کر یہ نتیجہ نکال سکے گا کہ یہ ابن حنبل کے دوسرے شاگردوں کی اولاد ہیں؟

۳۔ ان کا یہ کہنا کہ اس آیت میں قرآن نے ایک انکشاف کیا ہے اور تورات کے بیانات کی اصلاح کر دی ہے تو اس مغالطے کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ اول تو ان آیات کی ساخت پر ضرور غور کر لینا چاہیے۔ یہ اس معاملے میں بالکل واضح ہیں کہ یہاں قرآن کی طرف سے نہ تو ابتداءً کوئی بیان دیا جا رہا ہے اور نہ کسی قسم کی کوئی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حقیقت ہی واضح کی جا رہی ہے، حتیٰ کہ اس میں 'ذُرِّیَّة' کہہ کر کسی گروہ کو براہ راست مخاطب بھی نہیں کیا جا رہا کہ کوئی شخص غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے اور قرآن کی طرف سے انکشاف کرنے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ بلکہ یہاں صرف اور صرف ماضی میں ہونے والے ایک واقعے کی حکایت کی جا رہی ہے۔ یعنی، بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب ہدایت دی تھی اور اس تاکید کے ساتھ دی تھی کہ اے ان لوگوں کی اولاد جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا، میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔

دوسرے یہ کہ قرآن کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں کہ وہ محتمل الوجوہ اسالیب میں نہ تو کسی غلط بات کی اصلاح کرتا ہے اور نہ اپنے مخاطبین کے مسلمات کے خلاف کوئی انکشاف ہی کرتا ہے۔ بلکہ اس طرح کے معاملات کے لیے وہ سیدھی اور کھری بات کہتا اور صرف اُن اسالیب کو اختیار کرتا ہے جن میں حتمیت اور یقین کی شان پائی جائے کہ یہی اس کی ابانت کا تقاضا اور اس کے میزان اور فرقان ہونے کا لازمہ ہے۔ مثال کے طور پر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تورات میں لکھا ہے کہ اُنھوں نے معجزہ دکھاتے ہوئے جب اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ کوڑھ سے برف کے مانند سفید تھا[8]۔ قرآن نے یہ واقعہ بیان کیا تو کسی باریک منطقی استدلال میں نہیں، بلکہ بیماری کی اس نسبت کو بڑے ہی واضح انداز میں غلط قرار دیا جب کہ فرمایا: 'تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ'۔[9] یعنی، یہ ہاتھ بغیر کسی بیماری کے سفید ہو کر نکلے گا۔ اسی طرح تورات میں آیا ہے کہ خداوند نے چھ دن میں زمین و آسمان کی تخلیق کی اور ساتویں دن آرام کیا[10]۔ کام کے بعد تکان ہو جانے اور آرام کرنے کی ضرورت کسی مخلوق کو تو ہو سکتی ہے، اس کے خالق کو ہرگز نہیں۔ چنانچہ قرآن نے صرف اشارے کنایے اور محض ضمیروں کی دلالت سے اس کی اصلاح نہیں کی، بلکہ بڑے ہی صریح انداز میں فرمایا: 'وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ'۔[11] کہ ہمیں کوئی تکان ہرگز لاحق نہیں ہوئی۔ بلکہ اگر کوئی غلطی بہت زیادہ سنگین ہو اور لوگوں میں اس کا رواج ہو چکا ہو اور قرآن کو اس کے جواب میں کوئی بڑا انکشاف کرنا ہو تو وہ انکشاف ہی کے طریقے پر اسے بیان کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہودی سیدنا مسیح علیہ السلام کو قتل کر دینے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اناجیل میں بھی یہی کچھ نقل کر دیا گیا، اور کم و بیش

۸۔ کتاب خروج ۴: ۶۔

۹۔ طٰہٰ ۲۰: ۲۲۔

۱۰۔ خروج ۲۰: ۱۱۔

۱۱۔ ق ۵۰: ۳۸۔

ہر مسیحی فرقے میں اسے مان لیا گیا، حتیٰ کہ نزول قرآن کے وقت اسے ایک مسلمہ کی سی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اس معاملے میں قرآن نے اصل حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا ہے اور دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ کتنے زوردار طریقے سے بتایا ہے: 'وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ'۔ اُنھوں نے نہ اُس کو قتل کیا اور نہ اُسے صلیب دی، بلکہ معاملہ اُن کے لیے مشتبہ بنا دیا گیا۔ یعنی پہلے اُن کی بات کی ہر دو پہلو سے تردید کی اور پھر اُنھیں جہاں سے غلطی لگی تھی، اُس بنیاد کی بھی وضاحت کی۔ بلکہ پھر سے دہرا کر اصل بات کو موکد کیا: 'وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا'۔[12] کہ اِنھوں نے ہرگز اُس کو قتل نہیں کیا۔

اس روشنی میں ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن اس معاملے میں واقعتاً تورات اور اہل تورات کی اصلاح کرنا چاہتا تو وہ چونکہ اور چنانچہ پر مشتمل ایک الجھا ہوا انداز کبھی نہ اپناتا۔ بلکہ وہ بڑے ہی وضوح سے انھیں بتاتا کہ ''اے بنی اسرائیل، ابراہیم نوح کی اولاد نہیں ہے۔'' اور اگر یہی بات اصلاح سے بڑھ کر انکشاف کے طریقے پر بتانا ہوتی تو وہ پھر اس طرح کے الفاظ لاتا: ''اے بنی اسرائیل، نہ تم نوح کی اولاد ہو اور نہ تمھارے باپ، ابراہیم ہی کا اس سے نسب کا کوئی تعلق ہے۔'' اس کے بعد کہتا کہ ''تمھیں اس معاملے میں بہت بڑا مغالطہ ہو گیا ہے'' اسے موکد کرتے ہوئے یہ بھی کہتا کہ ''ایک مرتبہ پھر سے سن لو، ابراہیم نوح کی اولاد نہیں ہے اور یقینی طور پر نہیں ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

آیت کا اصل مفہوم

ان مغالطوں کے ازالے کے بعد اب ہم اس آیت کے اصل مفہوم کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا. ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا.(بنی اسرائیل ۱۷: ۲-۳)

''ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کو انھی بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا تھا، اس تاکید کے ساتھ کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔ اے ان لوگوں کی اولاد جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ (ہمارا) ایک شکر گزار بندہ تھا۔''

۱۲۔ النساء ۴: ۱۵۷۔

آیت کے اجزا کے بارے میں چند باتیں ملحوظ رہنی چاہییں:

ایک یہ کہ آیت میں ''مَن'' کا حرف آیا ہے۔ یہ واحد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور جمع کے لیے بھی۔ بنی اسرائیل، ظاہر ہے کشتی میں سوار ہونے والے کسی ایک شخص کی اولاد ہیں، مگر اس مقام پر اسے جمع میں لانا زیادہ بلیغ اور معنی خیز ہے۔

دوسرے یہ کہ آیت میں 'مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' یعنی، ''وہ لوگ جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا'' کا ایک فقرہ آیا ہے۔ اس کے الفاظ اپنے اندر پوری گنجایش رکھتے ہیں کہ ان سے صرف نوح کی اولاد مراد لی جائے یا دیگر مومنین یا پھر ایک ہی وقت میں دونوں مراد لے لیے جائیں۔ اب اس فقرے سے چونکہ اُس خاص گروہ کو خطاب کیا گیا ہے جو اس حقیقت کو ماننے والا ہے کہ وہ حضرت نوح کی اولاد ہیں، اس لیے اس میں آخری دو احتمالات بالکل ختم ہو کر رہ جاتے ہیں اور واضح ہو جاتا ہے کہ ان سے صرف اور صرف نوح کی اولاد مراد لی گئی ہے۔

تیسرے یہ کہ اس آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا ہے، مگر 'ذریۃ نوح' کہنے کے بجاے 'ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' کا انداز اپنایا ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہوا کہ اس میں منشاے متکلم کی رعایت زیادہ پائی جاتی ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل گزری۔

اجزا سمجھ لیے جائیں تو اس آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ خدا نے جب بنی اسرائیل کو اپنی کتاب عطا فرمائی تو اُنھیں اس بات کی پرزور تنبیہ کی کہ وہ اُس کے سوا کسی اور کو اپنا کارساز ہرگز نہ بنائیں کہ ایسا کرنا صریح شرک ہے۔ اس تنبیہ کے لیے اُن سے خطاب بھی 'مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' کے اسلوب میں کیا۔ تاکہ وہ لوگ اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ وہ حضرت نوح کے اُن اہل کی اولاد ہیں جو اس شرک سے قطعی طور پر محفوظ رہے اور انجام کار اُن کے ساتھ کشتی میں سوار کیے گئے۔ اور اس کے بعد اسی توحید کی ان الفاظ میں تاکید کی کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نوح بھی ہماری بندگی کرنے والا ایک توحید پرست آدمی تھا۔

اعتراضات

آیت کے اس سیدھے مفہوم پر ان حضرات نے اپنے نئے مضمون میں بھی کچھ اعتراضات اٹھا دیے ہیں۔ ذیل میں ہم مختصر طریقے سے ان کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ اس آیت میں 'مَن' کا حرف آیا ہے جو واحد کے لیے بھی آسکتا ہے اور جمع کے لیے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بھی اور یہاں اسے جمع میں لانا زیادہ معنی خیز ہے۔ اس پر ان حضرات کی طرف سے اعتراض کیا گیا ہے کہ یہاں 'ذُرِّیَّۃ' کی 'مَن' کی طرف اضافت اگر حقیقی ہے تو لازم ہے کہ اسے واحد ہی مانا جائے، اس لیے کہ بنی اسرائیل سب کشتی سواروں کی نہیں، بلکہ ایک ہی فرد کی اولاد ہیں۔

اس پر ہم عرض کریں گے کہ الفاظ اپنے استعمال میں صرف حقیقی اور مجازی کے دائروں میں تقسیم نہیں ہوتے، بلکہ بلاغت کے بعض تقاضوں کے پیش نظر ایک ہی وقت میں حقیقی اور مجازی بھی ہوتے ہیں۔ اس کی کئی مثالیں قرآن میں بھی موجود ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا کَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰھُمْ. (الفرقان ۲۵: ۳۷)

''اسی طرح جب نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان کو بھی ہم نے غرق کر دیا۔''

قوم نوح نے ایک ہی رسول کو جھٹلایا تھا، مگر فرمایا ہے کہ انھوں نے سب رسولوں کو جھٹلایا۔ ظاہر ہے، یہ اسی اصول پر فرمایا ہے کہ حقیقی لحاظ سے ان کی طرف سے تکذیب چاہے ایک رسول کی ہوئی ہو، مگر مجازی لحاظ سے جائز ہے کہ اسے سب رسولوں کی تکذیب قرار دے دیا جائے۔ اب قاری پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ آپ سے آپ جان لے کہ جمع کے اس صیغے میں صرف مجازی نسبت نہیں، بلکہ حقیقی نسبت بھی موجود ہے۔ اسی طرح کا معاملہ زیر بحث آیت کا بھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی اسرائیل صرف ایک فرد کی حقیقی اولاد ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ باقی سواروں سے ان کی نسبت مجازی طور پر بالکل جائز ہے اور 'مَن' کے اندر جمع ہونے کے باوجود، یہ دونوں نسبتیں موجود ہیں اور ذرا سا سوچ کر خود سے معلوم کر لی جا سکتی ہیں۔ ہماری پیش کردہ مثال ''تم اُن لوگوں کی اولاد ہو جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آئے تھے۔'' کو بھی اسی روشنی میں سمجھ لینا چاہیے۔

تاہم، ان حضرات کو اگر پھر بھی اصرار ہے کہ 'مَن' کو واحد ہی کے معنی میں لیا جائے تو ہم بتانا چاہیں گے کہ ''اے ان لوگوں کی اولاد جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا۔'' اور ''اے اُس شخص کی اولاد جسے ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا۔''، ان دو جملوں میں بلاغت کا ایک فرق تو ضرور پایا جاتا ہے، مگر اصل بحث جو اس مقام پر ہو رہی ہے، اس میں ذرا بھی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۲۔ یہ بتانے کے لیے کہ 'ذُرِّیَّۃَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' کا اسلوب معنوی طور پر ایک سے زائد اطلاقات کے لیے درست ہے، ہماری طرف سے ایک مثال بیان کی گئی تھی۔ ہم نے لکھا تھا کہ ابن حنبل کے بیٹے عبداللہ جنھوں نے دوسرے شاگردوں کے ساتھ اپنے باپ سے حدیث کا درس لیا، دوسروں کی طرح اُن کی اولاد سے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بھی اس جملے میں خطاب کرنا ہر طرح سے روا ہے کہ ''اے اُن لوگوں کی اولاد جو ابن حنبل سے پڑھتے رہے۔'' ہماری اس مثال پر ان حضرات کی طرف سے چند اعتراضات اٹھائے گئے ہیں:

ان کا کہنا ہے کہ اس میں اولاد کی نسبت ابن حنبل کے ساتھیوں تک نہیں پہنچائی گئی، جب کہ قرآن میں حضرت نوح تک پہنچائی گئی ہے۔ یعنی، مثال اس طرح ہونی چاہیے: ''اے ان لوگوں کی اولاد جو ابن حنبل کے ساتھ پڑھتے رہے۔'' کہ اس مثال میں ''کے ساتھ'' آجانے سے ابن حنبل کا بیٹا لوگوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ مزید یہ کہ عبداللہ اور ابن حنبل کا تعلق تو معلوم ہے، جب کہ حضرت نوح اور بنی اسرائیل کا تعلق زیر بحث ہے، اس لیے وہ ہماری دلیل کا حصہ نہیں بن سکتا۔

ہمارا مقصود اس مثال سے یہ بتانا تھا کہ جس طرح نوح اور ان کے ہم نوا، سب کشتی میں سوار ہونے کے عمل میں شریک ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ حضرت نوح ان کے امام ہیں اور باقی ان کے متبعین۔ اسی طرح ہماری مثال ''اے ان لوگوں کی اولاد جو ابن حنبل سے پڑھتے رہے۔'' میں تعلیم ایک مشترک عمل ہے جس میں ابن حنبل اور ان کے شاگرد شریک ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ ابن حنبل استاد ہیں اور باقی ان کے شاگرد۔ چنانچہ ہماری مثال میں ''سے'' کا لفظ ''کے ساتھ'' کے معنی میں ہے اور اس میں اولاد کی نسبت ابن حنبل کے ساتھیوں تک پہنچی ہوئی ہے اور اس لحاظ سے یہ قرآن کے اسلوب کو سمجھانے کے لیے بالکل درست مثال ہے۔ دوسرے جو ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر مثال میں ''کے ساتھ'' کے الفاظ آجائیں تو ابن حنبل کا بیٹا لوگوں میں شامل نہیں ہو سکتا تو اس پر ہم عرض کریں گے کہ اول تو ان کی مجوزہ مثال میں ''کے ساتھ'' کو اگر ''سے'' کے معنی میں نہ لیا جائے تو صورت واقعہ ہی بدل جائے گی اور ابن حنبل ان لوگوں کے استاد ہونے کے بجاے خود کسی اور کے شاگرد ہو جائیں گے۔ دوم، اگر اس مفہوم کو بھی فرض کر لیا جائے تو پھر بھی ان کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہی ٹھیرتا ہے کہ اس صورت میں ابن حنبل کا بیٹا لوگوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اگر ابن حنبل اپنے بیٹے عبداللہ اور بعض دوسرے لوگوں سمیت، کسی اور استاد سے پڑھ رہے ہیں تو اب بھی یہ ہر طرح سے روا ہو گا کہ: ''اے ان لوگوں کی اولاد جو ابن حنبل کے ساتھ پڑھتے رہے۔'' کے جملے سے دوسروں کی طرح عبداللہ کی اولاد کو بھی خطاب کیا جا سکے۔ باقی جہاں تک انھوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ عبداللہ اور ابن حنبل کا تعلق ہمیں معلوم ہے اور نوح کا بنی اسرائیل کے ساتھ تعلق زیر بحث ہے، اس لیے وہ دلیل نہیں بن سکتا تو اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ یہ بھی حسب معمول انھیں لاحق ہو جانے والا ایک صریح مغالطہ ہے۔ وہ اس لیے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کہ نوح اور بنی اسرائیل کا تعلق اگر زیر بحث ہے تو وہ ہمارے اور ان حضرات کے درمیان میں ہے۔ وگرنہ اس جملے کے مخاطبین کے لیے وہ ہر طرح سے معلوم اور معروف ہے اور یہ حضرات جب انکشاف کا دعویٰ کرتے ہیں تو اصل میں اسی بات کو مان کر یہ دعویٰ کر رہے ہوتے ہیں۔

تاہم، اس مثال کو سمجھنے میں دقت ہو رہی ہو تو ہم اسے ان حضرات کے مجوزہ الفاظ میں تبدیل کیے دیتے ہیں۔ حاکم وقت نے اگر ابن حنبل، ان کے بیٹے، عبداللہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں پر ظلم توڑا ہو اور ہم بعد میں آنے والوں کے لیے یہ جملہ بولیں: ''اے ان لوگوں کی اولاد جنھوں نے ابن حنبل کے ساتھ حکومت کی سختیوں کو برداشت کیا۔'' تو دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اب بھی ان الفاظ کے ذریعے سے جس طرح ابن حنبل کے دوسرے ساتھیوں کی اولاد کو پکارا جا سکتا ہے، اسی طرح ان کے بیٹے، عبداللہ کی اولاد کو پکارنا بھی ہر طرح سے درست ہے اور کسی شخص کو محض اس جملے سے پکارنے پر ابن حنبل کے ساتھ اس کے نسبی تعلق کی ہرگز نفی نہیں ہوتی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کسی مثال کو صحیح طرح سے سمجھ لینا، بعض اوقات اس لیے بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کے الفاظ سے ایک طرح کی اجنبیت ہوتی ہے اور سننے والا اپنے اندر یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس اجنبیت کی وجہ سے بھی اصل حقیقت کو مشہود کر سکے۔ اس صورت حال میں ضروری ہوتا ہے کہ مثال کو جانے پہچانے الفاظ میں بیان کر دیا جائے اور مزید یہ کہ اسے اس کے کرداروں پر عملاً منطبق کر کے بھی دکھا دیا جائے۔ چنانچہ، فرض کیا جائے کہ ہم نے جاوید صاحب، اُن کے بیٹے، جواد احمد اور اُن کے شاگرد، آصف افتخار کو کسی بڑے دینی مقصد سے ٹرین میں سوار کرایا ہے اور اس کے بعد ہم ان کے بچوں کو دین کے معاملے میں کوئی تنبیہ کرنا چاہتے ہیں۔ سو اب جواد اور آصف، دونوں کے بچوں کو الگ الگ اس جملے سے خطاب کر کے دیکھ لیا جائے، ''اے ان لوگوں کی اولاد جنھیں ہم نے جاوید صاحب کے ساتھ سوار کرایا تھا۔'' ہمیں بڑی امید ہے کہ اس عملی اطلاق سے یہ اسلوب ہر طرح سے واضح ہو جائے گا اور زبان کی شد بد رکھنے والا کوئی بھی شخص ان دونوں استعمالات پر ہرگز اعتراض نہیں کرے گا اور نہ یہ استدلال ہی کرے گا کہ جس بچے کو اس جملے میں خطاب کیا جائے گا، اس کے جاوید صاحب سے نسبی تعلق کی لازمی طور پر نفی ہو جائے گی۔

بلکہ آخر میں ہم عرض کریں کہ 'ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ' کا اسلوب کہ جسے سمجھانے کے لیے ہم نے ابن حنبل کی مثال دی تھی، ایک سے زائد اطلاقات رکھنے میں اس قدر واضح ہے کہ جو شخص معروضی انداز میں

چیزوں کو دیکھنے کا عادی ہو، اُس کے لیے اسے سمجھ لینا ذرا بھی مشکل نہیں۔ ہماری اس بات کی دلیل میں ان حضرات کی وہ تحریر بھی دیکھ لی جا سکتی ہے جہاں یہ اپنا انکشاف منوانے پر اصرار نہیں کر رہے، بلکہ ایک اور بحث کے تحت اس اسلوب کو لائے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے اولاد نوح اور کچھ دوسروں کا ذکر کیا گیا ہے:

''حضرت نوح کے لیے وہی پیچیدہ اسلوب: 'وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' آیا ہے۔ لہٰذا، یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہاں بھی اولاد نوح کے ساتھ کچھ اور کا ذکر بھی پیش نظر ہے۔''[۱۳]

۳۔ ہم نے 'ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' کے اسلوب پر لکھا تھا کہ یہ اس آیت میں اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ متکلم اپنے مخاطبین کو توحید کے معاملے میں تنبیہ کرنا چاہتا ہے۔ اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر یہاں تنبیہ مقصود ہوتی تو آیت کے آخر میں 'انہ' کے بجاے جمع کا صیغہ لایا جاتا،، اس لیے کہ واحد کے صیغے سے یہ تنبیہ دب جاتی ہے۔

اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ واحد کا صیغہ لانے سے یہ تنبیہ ہلکی نہیں ہوئی، بلکہ اور زیادہ تیز اور صحیح تر لفظوں میں دو آتشہ ہو گئی ہے۔ مگر اس سے پہلے ضروری ہے کہ تالیف کے نقطۂ نظر سے دو باتیں اچھی طرح سے سمجھ لی جائیں۔

ایک یہ کہ بنی اسرائیل ایک ہی فرد کی اولاد ہیں، مگر اس کے باوجود 'مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' میں 'مَن' جمع کے لیے بھی آ سکتا ہے اور بلاغت کے بعض تقاضوں کے پیش نظر یہ جمع ہی کے لیے یہاں آیا ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل گزری۔

دوسرے یہ کہ 'اِنہ' میں ضمیر متصل کا مرجع لفظ 'نوح' ہے اور اس بات کو ماننے کے چند ایک وجوہ ہیں: مثلاً، 'مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ' میں 'مَن' اگر جمع کے لیے ہے تو لامحالہ 'انہ' کا مرجع اب نوح ہی ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ یہاں قرآن کا ایک جانا پہچانا اسلوب استعمال ہوا ہے جس میں کسی اسم کا ذکر کرنے کے بعد اس کا وصف بطور تتمہ بیان کیا جاتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى. وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى. (النجم ۵۳: ۳۶-۳۷)

''کیا اسے ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں۔ اور ابراہیم کے صحیفوں میں بھی، جس نے وفا کا حق ادا کر دیا؟''

۱۳۔ ماہنامہ ''اشراق''، دسمبر ۲۰۱۸ء، ص ۱۷۔

اس میں 'الَّذِیْ وَفّٰٓی' کا وصف سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام کے ساتھ بطور تتمہ استعمال ہوا ہے۔ زیر بحث آیت کا معاملہ بھی یہی ہے۔ 'اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا' کا وصف اسی خاص طریقے سے حضرت نوح علیہ السلام کے لیے آیا ہے، چنانچہ اس لیے بھی اس کی ضمیر کا مرجع لازمی طور پر 'نوح' ہی ہے [۱۴]۔

اس وضاحت کے بعد اب دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ 'اِنَّهٗ' میں واحد کا صیغہ لانے سے یہ تنبیہ اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر اس کے بجاے جمع کا صیغہ 'انھم' لایا جاتا تو اس کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو محض یہ یاد دہانی ہوتی کہ وہ اُن لوگوں کی اولاد ہیں جنھوں نے توحید کی وجہ سے نجات پائی۔ مگر 'اِنَّهٗ' کے ذریعے سے نوح کا وصف بیان ہوا اور اس میں مزید یہ بات بھی شامل ہو گئی کہ تم نوح سے جو تعلق رکھتے ہو تو اس حوالے سے بھی سن لو، وہ بھی خدا کی توحید پر کاربند رہنے والا ہمارا ایک خاص بندہ تھا۔

ردِ ''انکشاف''

ان حضرات کے انکشاف کا رد ہم نے دو طریقوں سے کیا ہے۔ ایک یہ بتایا ہے کہ ان کا استدلال ہر طرح سے زبان کے اصولوں کے خلاف اور محض منطق ہے اور پھر ان کی پیش کردہ آیت کا صحیح مفہوم بھی بتایا ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل گزری۔ دوسرے یہ بتایا ہے کہ اس معاملے میں ''انکشاف'' کے بالکل برعکس، قرآن نے تاریخی اور مذہبی حوالوں کی پوری پوری موافقت کی ہے اور اس کے لیے محض اشارے اور کنایے کا نہیں، بلکہ صریح تر لفظوں کا استعمال کیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ. ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ. (آل عمران ۳: ۳۳-۳۴)

''اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ نے آدم اور نوح کو، اور ابراہیم اور عمران کے خاندان کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اُن کی رہنمائی کے لیے) منتخب فرمایا۔ یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔''

اس آیت میں 'ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی، ''یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔'' یہ الفاظ اپنے مدعا میں ہر طرح سے واضح ہیں اور مزید یہ کہ کسی دوسری بحث کے ضمن میں نہیں، بلکہ حضرات آدم و نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کے باہمی نسب کو بیان کرنے کے لیے یہاں آئے اور اس طرح زیر بحث مسئلہ

۱۴۔ ان حضرات کو واحد کا صیغہ آنے میں جو غرابت محسوس ہوئی ہے، اس کی وجہ بھی اصل میں قرآن کے اس اسلوب سے ان کی ناواقفیت ہی ہے۔

میں ایک قول فیصل کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ مگر نہایت حیران کن امر ہے کہ ان حضرات نے اس سیدھے اور بے تکلف مفہوم سے اختلاف کیا ہے اور فراہی اصولوں کے بجاے تفسیر کے ''روایتی'' اصولوں کی مدد لیتے ہوئے ایک اور ہی مطلب بیان کر دیا ہے۔ ان کے بقول اس کا ترجمہ یہ ہے، ''یہ سب لوگ انسان ہیں، جو ایک جیسے ہیں۔''

مغالطے

غور کیا جائے تو ان کے بیان کردہ ترجمہ میں دو بڑے مغالطے ہیں:

۱۔ اس آیت میں 'ذُرِّيَّة' کا لفظ ''بنی نوع انسان'' کے معنی میں آیا ہے۔

۲۔ 'بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ' کی ترکیب اصل میں برابری اور مماثلت کو بیان کرنے کے لیے آئی ہے۔

ازالہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان مغالطوں کے جواب میں چند باتیں سامنے رہنی چاہییں:

۱۔ 'ذُرِّيَّة' کے اصل معنی کسی شخص کی اولاد کے ہیں۔ لفظ کے اسی معنی کا اطلاق ہے کہ یہ عربی زبان میں کم عمر والی اولاد، یعنی بچوں کے لیے اور بعض اوقات بڑی عمر کی اولاد، یعنی نوجوانوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کبھی یہ بچوں کے ساتھ ان کے وجود کا سبب بننے والی عورتوں کو بھی محیط ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اسے اولاد کے سلسلے، یعنی نسل کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا اور پھر اسی مفہوم کی رعایت سے جنس اور نوع کے لیے بھی برت لیا جاتا ہے۔ کیا اس آیت میں بھی یہ بنی نوع آدم کے معنی میں آیا ہے؟ تو اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ یہاں اس کا یہ معنی مراد لینا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔[۱۵] اس لیے کہ یہ اپنے مطلق استعمال میں بنی نوع آدم کے لیے کبھی نہیں آتا، بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اسے مثال کے طور پر، آدم کے لیے معہود بنایا جائے۔ اُس کے اسم یا اُس کی ضمیر کی طرف مضاف کیا جائے۔ یا کم سے کم اُس ضمیر کی طرف مضاف کیا جائے جس کا مرجع آدم وغیرہ تو نہ ہو، مگر کلام کے ارتقا کی وجہ سے اس میں یہ معنی ضرور پیدا ہو گیا ہو۔ اس کی بہت اچھی مثال ذیل کی آیت میں ہے:

۱۵۔ بلکہ قرآن نے اگر اس مفہوم کو ادا کرنا ہوتا تو اس کے لیے بنی آدم کی ترکیب زیادہ مناسب ہوتی، جیسا کہ فرمایا ہے: 'وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ'۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ. (یٰس ۳۶: ۴۱)

''اور ان کے لیے ایک بہت بڑی نشانی یہ بھی ہے کہ ان کی نسل کو ہم نے بھری ہوئی کشتیوں میں اٹھا رکھا ہے۔''

سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ 'ذُرِّيَّتَهُمْ' کے 'هم' کا مرجع نہ تو انسان کا کوئی لفظ ہے اور نہ یہ محض 'لَهُمْ' کے 'هم' کا اعادہ ہے، بلکہ متکلم نے اس مخصوص ضمیر کو اٹھایا ہے اور اس میں ایک عمومی رنگ پیدا کر دیا ہے۔ اب اس کا مطلب صرف ''اِن'' نہیں بلکہ ''اِن انسانوں'' ہے۔ گویا 'ذُرِّيَّتَهُمْ' کا لفظی ترجمہ اب یہ بنے گا: ''اِن انسانوں کی اولاد''، اور ظاہر ہے اسی مفہوم کو اوپر ترجمہ میں ''اِن کی نسل'' سے بیان کیا گیا ہے۔

اس اسلوب کو اپنی گرفت میں لے لینا چونکہ اتنا آسان نہیں ہے، اس لیے ہم شرح صدر کے لیے اس کی ایک اور مثال پیش کیے دیتے ہیں:

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا. اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا. (مریم ۱۹: ۶۶-۶۷)

''انسان کہتا ہے، کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم اس سے پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں، جب کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.org

اس آیت میں دو مرتبہ لفظ 'الْاِنْسَان' آیا ہے، مگر کچھ غور و فکر کے بعد معلوم کر لیا جا سکتا ہے کہ دوسرا بعینہٖ پہلا نہیں ہے۔ پہلے سے مراد مشرکین عرب ہیں اور دوسرے سے مراد بھی یہی ہیں، مگر اس فرق کے ساتھ کہ ان کے جنس انسان ہونے کا پہلو اس میں اب ذرا غالب ہو گیا ہے۔

غرض یہ کہ زیر بحث آیت میں 'ذُرِّيَّة' کا لفظ نہ تو آدم کے لیے معہود ہے اور نہ اُس کے اسم یا ضمیر کی طرف مضاف ہے اور نہ مذکورہ خاص طریقے سے آیا ہے، بلکہ اسے مطلق طور پر استعمال کیا گیا ہے، اس لیے اسے بنی نوع آدم کے معنی میں لے لینا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔

۲۔ ان حضرات کا دوسرا بڑا مغالطہ یہ ہے کہ اس آیت میں 'بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ' کی ترکیب برابری اور مماثلت کو بیان کرنے کے لیے آئی ہے۔ اس پر ہم عرض کریں گے کہ اسے برابری کے لیے مان لیا جا سکتا ہے اگر یہ مجازی معنی میں یہاں استعمال ہوئی ہو، مگر مسئلہ یہ ہے کہ سیاق کلام میں اس کے مجازی ہونے کی کوئی مثبت دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ سلبی طور پر بھی دیکھا جائے تو یہ ہرگز مجازی نہیں ہو سکتی کہ اس پر 'ذُرِّيَّة' کا ایک لفظ آیا ہوا ہے۔ یہ لفظ 'بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ' کا موصوف ہے اور اسے کسی صورت مہمل نہیں چھوڑا جا سکتا اور

ضروری ہے کہ یہ اپنی صفت، یعنی اس ترکیب سے متعلق ہو اور اس کے معنی کی تعیین کرے۔ وگرنہ، یہ لفظ ساری بات سے غیر متعلق ہو کر رہ جائے گا اور سامع کے ذہن میں یہ سوال بھی پیدا کرے گا کہ اس جملے میں اولاد کا ذکر کیوں ہوا اور اولاد سے مراد آخر کس کی اولاد ہے[۱۶]۔ سو اس لفظ کے زیر اثر اس ترکیب کی تالیف کچھ یوں بنتی ہے: 'بعضها من ذرية بعض'۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسے یہاں مجازی معنی کے بجاے حقیقی معنی میں برتا گیا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اگر سیاق و سباق کو بھی ملا لیا جائے جو حضرت مسیح کی الوہیت کا انکار کر رہا اور آپ کو مریم کے گھر میں جنم لینے والا ایک انسان بتا رہا ہے تو اس ترکیب میں مجاز کے ہر پہلو کی مطلق نفی اور اس کے حقیقی ہونے کی اور زیادہ تاکید ہو جاتی ہے۔

بلکہ ہم عرض کریں کہ اگر واقعتاً مجازی معنی ادا کرنا ہوتے اور آدم و نوح اور آل ابراہیم و عمران کے بارے میں یہی بتانا ہوتا کہ یہ سب لوگ ایک جیسے ہیں تو اس کے لیے صرف 'بعضهم من بعض' کے الفاظ لائے جاتے اور 'ذُرِّيَّة' کا لفظ لانے کی یہاں کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اور خاص کر اُس وقت جب ان حضرات کی خواہش کے مطابق 'ذُرِّيَّة' کو بنی نوع انسان کے معنی میں لے لیا جائے کہ اس صورت میں یہ تکرار محض قرار پاتی اور 'ذُرِّيَّة' کا لفظ بھی یہی بتا رہا ہوتا کہ یہ لوگ اپنی جنس میں انسان ہیں اور ''یہ سب ایک جیسے ہیں'' کا جملہ بھی یہی کچھ بتا رہا ہوتا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

آیت کا صحیح مفہوم

ان مغالطوں کے ازالے کے بعد اب ہم اس آیت کا صحیح مفہوم بیان کرتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ. ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ. (آل عمران ۳: ۳۳-۳۴)

''اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ نے آدم اور نوح کو، اور ابراہیم اور عمران کے خاندان کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اُن کی رہنمائی کے لیے) منتخب فرمایا۔ یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔''

آیت کے اجزا کے بارے میں چند باتیں ملحوظ رہنی چاہییں:

ایک یہ کہ آیت میں چونکہ 'ذُرِّيَّة' کا لفظ بغیر کسی قید کے اور مطلق طور پر استعمال ہوا ہے، اس لیے لازم ہے کہ اس سے اس کا اصل معنی، یعنی اولاد مراد لیا جائے۔

۱۶۔ اور وہ مہمل جملہ یہ بنتا ہے: ''خدا نے آدم و نوح اور آل ابراہیم و آل عمران، یعنی اولاد کو چنا جو سب ایک جیسے ہیں۔''

دوسرے یہ کہ 'بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ' کی ترکیب مجازی کے بجاے اپنے حقیقی معنی میں آئی ہے، اس لیے کہ تالیف کلام کے لحاظ سے یہ 'ذُرِّيَّة' یعنی، لفظ اولاد کی صفت ہے اور سیاق کلام بھی اس کے حقیقی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس ترکیب میں دونوں طرف کا مفہوم اصلاً تو موجود نہیں ہوتا، مگر اس کے متعلق کلام سے نتیجے کے طور پر اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ لفظ اولاد نے بتا دیا ہے کہ یہاں دونوں طرف کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ یہ سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ باپ اور اولاد کا رشتہ رکھتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ اس ترکیب میں ایک ترتیب بھی پیدا ہو گئی ہے اور اس کی وجہ اس کے متعلقات اور وہ علم ہے جس کی رعایت سے اس کلام کا صدور ہوا ہے۔

اجزا کی وضاحت کے بعد اب اس آیت کا صحیح مفہوم یہ بنتا ہے کہ اللہ نے تمام دنیا والوں پر ترجیح دیتے ہوئے آدم و نوح کو اور ابراہیم اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمایا۔ یہ سب حضرات ایک دوسرے کی اولاد ہیں اور ترتیب سے ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ یعنی، نوح آدم کی، آل ابراہیم نوح کی اور آل عمران آل ابراہیم کی۔ اور اس سے یہ بھی آپ سے آپ ثابت ہو جاتا ہے کہ سیدنا ابراہیم واقعتاً حضرت نوح کی اولاد ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اعتراضات

ان حضرات کے نئے مضمون میں آیت کے اس مفہوم پر کچھ اعتراضات اٹھائے گئے ہیں:

۱۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ 'ذُرِّيَّة' کا عربی زبان میں اصل مفہوم اولاد ہے اور یہی مفہوم ہوتا ہے جو اس کے تمام اطلاقات میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ اس کے خلاف ان کی طرف سے کہا گیا ہے کہ ذیل کی آیت میں یہ اولاد کے مفہوم سے بالکل منفک ہو چکا ہے:

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ. (یٰس ۳۶: ۴۱)

''اور ان کے لیے ایک بہت بڑی نشانی یہ بھی ہے کہ ان کی نسل کو ہم نے بھری ہوئی کشتیوں میں اٹھا رکھا ہے۔''

ان کا مزید کہنا ہے کہ اگر اس آیت میں اولاد کے مفہوم کو منفک نہ کریں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ''ہر کشتی میں ہم سب کی نسل بمعنی اولاد بیٹھی ہوتی ہے۔''

اس اعتراض میں عربی اور اردو، دونوں سے عدم واقفیت کے کچھ مسائل ہیں، مگر ہم ان سب سے صرف نظر

کرتے ہیں اور اس بحث کو بھی نظر انداز کرتے ہیں کہ 'ذُرِّیَّة' کے کسی استعمال میں جب اولاد کا مفہوم بظاہر منفک نظر آتا ہے تو اس کے باوجود یہ اس میں کس حیثیت سے موجود ہوتا ہے۔ ہم صرف ان کی دی ہوئی مثال پر عرض کرتے ہیں کہ اس میں بھی یہ کسی نہ کسی درجے میں موجود ہے، چاہے اس میں آنے والے 'ذُرِّیَّتَھُمْ' کا ترجمہ ''ان کی نسل'' کے لفظوں میں کریں یا ''بنی نوع آدم'' کے لفظوں میں۔ اصل میں ان حضرات کو اس قدر سادہ بات سمجھنے میں جو دقت ہو رہی ہے تو اس کی وجہ ہمارے نزدیک لفظ نسل کا یہاں استعمال ہے۔ چنانچہ آسانی کی غرض سے ہم یہ کرتے ہیں کہ یہاں 'ذُرِّیَّتَھُمْ' کا بالکل لفظی ترجمہ کیے دیتے ہیں۔ 'ذُرِّیَّة' کا اصل مطلب، 'ھم' کی طرف اس کی اضافت اور اس ضمیر میں پیدا ہو جانے والے ایک خاص پہلو کی اگر ہم رعایت رکھیں تو 'ذُرِّیَّتَھُمْ' کا ٹھیک لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے: ''ان انسانوں کی اولاد۔'' اور اس ترجمہ میں ہر شخص دیکھ لے سکتا ہے کہ ''اولاد'' ہرگز منفک نہیں ہوئی، بلکہ وہ اس میں لفظی طور پر بھی موجود ہے اور ایک درجے میں معنوی طور پر بھی۔

ہمیں امید ہے کہ اب ان کے اس بے جا اندیشے کا بھی تدارک ہو جائے گا کہ ہر کشتی میں ہم سب کی اولاد بیٹھی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ہم کہیں گے کہ کشتیوں میں ''ہم سب انسانوں کی اولاد'' بیٹھی ہوتی ہے اور ظاہر ہے، اس جملے پر ان سمیت کسی شخص کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ بلکہ اس روشنی میں ان کی طرف سے پیش کردہ یہ مثال بھی سمجھ لی جا سکتی ہے: 'آیة لکم ان اللہ حمل ذریتکم فی ھذہ الطائرة'۔ اس کا صحیح ترجمہ ہو گا: ''تمھارے لیے ایک بڑی نشانی ہے کہ اللہ نے اس جہاز میں تم انسانوں کی اولاد کو سوار کرایا ہے۔''

یہاں ضمنی طور پر ایک بات واضح ہو جانی چاہیے۔ ان حضرات نے بعض مفسرین کی طرف سے بیان کیا ہے کہ وہ 'ذُرِّیَّتَھُمْ' سے 'آباء ھم' مراد لے رہے ہیں تو اس لیے کہ انھوں نے بھی اس لفظ کو یہاں ''ہم نسلوں'' کے معنی میں لیا ہے۔ اس پر ہم اپنے جیسے طالب علموں سے عرض کریں گے کہ علمی کام بہت زیادہ احتیاط کا تقاضا کرتے ہیں، اس لیے وہ جب بھی کسی اہل علم کی رائے نقل کریں تو پہلے خود ان کا استدلال بڑی اچھی طرح سے سمجھ لیں۔ اس کے لیے وہ یہ التزام کریں کہ اُن کے طرز تحریر سے خوب واقفیت بہم پہنچائیں[17]، اور بالخصوص

۱۷۔ اسے اہل علم کے انداز بیان سے ناواقفیت ہی کا نتیجہ کہیں گے کہ ان حضرات نے مفسرین کی اس تاویل کی توجیہ یہاں ''ہم نسل'' سے کی ہے اور پچھلے مضمون میں کچھ اور ہی کی تھی اور بیان کیا تھا کہ جنھوں نے 'ذُرِّیَّة' کو آبا کے معنی میں لیا ہے تو انھوں نے اسے غیر معروف معنی میں لیا ہے۔ ماہنامہ ''اشراق''، دسمبر ۲۰۱۸ء، ص ۷۵۔

اس صورت میں جب وہ قدیم زمانے کے علما میں سے ہوں کہ قدیم علما کی یہ عام عادت ہوتی ہے کہ وہ اس اعتماد پر نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ لکھتے چلے جاتے ہیں کہ اُنھیں پڑھنے والے تمام بنیادی علوم سے آشنائی رکھتے ہیں۔ سو جان لینا چاہیے کہ ان مفسرین نے 'ذُرِّيَّتَهُمْ' سے جب 'آباء ھم' مراد لیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ 'ذُرِّيَّة' کو ''ہم نسل'' کے معنی میں لے رہے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک یہاں مسبب بول کر سبب مراد لینے کا اسلوب برتا گیا ہے۔ یعنی، انھوں نے 'ذُرِّيَّتَهُمْ' کو پہلے اولاد کے معنی میں لیا ہے اور اس کے بعد یہ سمجھا ہے کہ یہاں مسبب یعنی، اولاد کا لفظ بول کر ان کا سبب، یعنی آبا مراد لیے گئے ہیں جو کشتی نوح میں واقعتاً سوار ہوئے اور بعد میں ان لوگوں کی پیدایش کا سبب بھی ہوئے۔

۲۔ ہم نے 'ذُرِّيَّة' کے اطلاقات دکھاتے ہوئے عربی زبان میں سے ایک نظیر پیش کی تھی کہ جس میں یہ لفظ عورتوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور اولاد کے مفہوم کے باوجود، اس لیے استعمال ہوا ہے کہ یہ عورتیں اولاد کے وجود میں آنے کا سبب ہوتی ہیں۔ 'انی احکم ان تقتل المقاتلة وان تسبی الذرية'۔[18] ''میرا فیصلہ ہے کہ مقاتلین کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا جائے۔'' اس پر ان حضرات کی طرف سے اعتراض کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اصل میں ''میدان جنگ میں ہم نسلوں کے معنی میں جذبۂ ترحم کی بیداری کے لیے 'ذُرِّيَّة' بولا جاتا ہے، جس کا اطلاق غیر مقاتلین پر ہوتا ہے۔'' ان کا کہنا ہے کہ اس روایت میں شارحین نے اس سے جو عورتیں اور بچے مراد لیے ہیں تو اس میں ''المقاتلة' کے تقابل میں آنے سے یہ معنی پیدا ہوئے ہیں۔ اسی لیے 'نساء' پر عطف ہو کر صرف بچوں کے معنی میں رہ جاتا ہے۔ مثلاً دوسری روایتوں میں دیکھیے یہ فیصلہ یوں نقل ہوا ہے: 'ان تقتل المقاتلة وان تسبی النساء والذرية'۔''

لفظ کا معنی طے کرنے کے اس نادر طریق پر ان حضرات کے مریدان خاص ہی انھیں داد دے سکتے ہیں۔ افسوس! ہم ان کے حلقۂ ارادت میں شامل نہیں ہیں اور فرصت کے لمحات بھی اس قدر میسر نہیں ہیں کہ اس کے ایک ایک جز کو زیر بحث لائیں اور اس طرح ہم بھی انھیں خوب خوب ''داد'' دے سکیں۔ سر دست، یہی عرض کرتے ہیں کہ ایک تو 'ذُرِّيَّة' کا مطلب یہاں ہم نسل نہیں ہو سکتا کہ اس کے کچھ شرائط ہیں جو اوپر تفصیل سے بیان ہو چکے۔ دوسرے یہ کہ تقابل میں آنے سے ہر لفظ میں ہر طرح کا معنی پیدا نہیں ہو جایا کرتا، بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ لفظ میں وہ معنی قبول کرنے کی صلاحیت بھی ہو۔ یعنی، اس روایت میں تقابل کی وجہ سے

۱۸۔ بخاری، رقم ۳۰۴۳۔

یہ تو ممکن ہے کہ 'ذُرِّیَّة' میں موجود بہت سے معانی میں سے کچھ کی تعیین ہو جائے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اس میں وہ معنی بھی پیدا ہو جائیں جو اس میں اصلاً موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ شارحین نے اس سے مراد اگر عورتیں اور بچے لیے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ اس لفظ کے پہلے سے ثبت شدہ اطلاقات ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور محض مقاتلین کے تقابل میں آجانے سے معنی پیدا ہونا ہوتے تو وہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ ساتھ کھیتوں میں کاشت کاری کرنے والے کسانوں، گھروں میں کام کاج کرنے والے غلاموں اور خانقاہوں میں محصور عبادت گزاروں کو بھی مراد لیتے کہ وہ بھی اس زمانے میں غیر مقاتلین ہی شمار ہوا کرتے تھے۔ بلکہ اس بات کو ہم ایک اور زاویے سے عرض کریں کہ اگر تقابل ہی سے معانی پیدا ہونا ہوتے تو 'ذُرِّیَّة' کے بجاے یہاں کوئی اور لفظ جیسا کہ مثال کے طور پر، 'حرّاث' یا 'عسیف' رکھ دینے سے بھی یہ معنی پیدا ہو جاتے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ ہم اس کا ترجمہ صرف کسان اور خادم کریں گے اور اس میں بچوں اور عورتوں کا معنی ہرگز پیدا نہیں کر دیں گے کہ یہ معانی ان لفظوں میں اصلاً موجود نہیں ہیں۔

غرض یہ کہ معنی کی تعیین الل ٹپ طریقے سے نہیں ہوتی کہ تقابل جیسی اصطلاحات کو کسی بھی طریقے سے استعمال کر لیا جائے۔ زبان کے کچھ قواعد ہوتے ہیں کہ جن کی روشنی میں نہایت قرینے سے ان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ قرینہ اور سلیقہ ہی اصل میں مکتب فراہی کا طرۂ امتیاز ہے، وگرنہ لوگ ان قاعدوں اور اصطلاحات سے تو ہمیشہ سے واقف رہے، بلکہ بہت اچھی طرح سے واقف رہے ہیں۔ باقی شارحین کے ہاں اس روایت کا مفہوم کس طرح سے طے ہوا ہے، ہم اپنے جیسے طالب علموں کے لیے وہ اصل طریقہ ذیل میں بیان کیے دیتے ہیں۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

'انی احکم ان تقتل المقاتلة وان تسبی الذریة'۔

یہ اصل میں بنو قریظہ کے بارے میں سنایا گیا حضرت سعد بن معاذ کا فیصلہ ہے اور اس میں 'المقاتلة' کے الف لام کا معہود اسی قبیلے کے مرد ان جنگ ہیں۔ اس کے بعد 'ذُرِّیَّة' پر بھی ایک الف لام آیا ہے اور زبان کے قواعد کی رو سے لازم ہے کہ اس سے مراد بھی ''اس قبیلے کی ذریت'' ہو۔ قبیلے کی طرف اس نسبت کے ہوتے ہوئے، ظاہر ہے یہ تو کسی طرح ممکن نہیں رہا کہ 'ذُرِّیَّة' سے مراد بنی نوع انسان لے لیا جائے۔ اس سے مراد نسل بھی نہیں لیا جا سکتا کہ یہ بنو قریظہ کے سارے سلسلۂ اولاد کے لیے نہیں، بلکہ اس وقت میں موجود اور قتل کے حکم سے بچ جانے والے افراد کے بارے میں سنایا گیا ایک فیصلہ ہے۔ اب یہ ذریت چونکہ 'المقاتلة' کے تقابل میں آیا ہے، اس لیے اس سے مراد نوجوان اولاد بھی نہیں لی جا سکتی جو خود مقاتلین میں سے ہے۔ گویا لفظ

ذریت میں پائے جانے والے یہ سب احتمالات ایک ایک کر کے ختم ہو گئے اور ان کے بچے اور عورتیں ہی باقی رہ گئے ہیں۔ یہ بچے اور عورتیں لفظ ذریت کے ثابت شدہ معانی ہیں اور یہاں انھیں جس طرح یہ بات متعین کر دیتی ہے کہ یہ مقاتلین کے تقابل میں آئے ہیں، اسی طرح یہ بات بھی انھیں موکد کرتی ہے کہ اس روایت میں ذریت کو غلام بنانے کا فیصلہ سنایا گیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ نوجوانوں کے علاوہ یہ عورتیں اور بچے ہی ہوتے تھے کہ جنھیں اس زمانے میں عام طور پر غلام بنایا جاتا تھا۔

اس ذیل میں ان کی طرف سے حضرت خالد بن ولید کی ایک روایت بھی نقل کی گئی ہے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا روشنی میں طالب علم خود ہی اس کا صحیح مفہوم طے کر لیں گے اور اس تناظر میں ان لوگوں کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراض کو بھی اچھی طرح سے سمجھ لیں گے۔

۳۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ 'بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ' کی ترکیب میں دونوں طرف کا مفہوم اصلاً موجود نہیں ہوتا، بلکہ اس کے متعلق کلام سے نتیجے کے طور پر اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس پر اعتراض ہوا ہے کہ ''اس جملے میں 'بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ' میں 'بَعْض' دو دفعہ آیا ہے۔ اگر یہاں طرفین موجود نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا 'بَعْض' جملے میں برائے بیت آ گیا ہے، یعنی تلاوت میں ہے، لیکن معناً منسوخ ہو چکا ہے۔''

مرادی معنی طے کرنے کے اس کام میں بہت سے اصول و ضوابط ہوتے ہیں، مگر یہ بات طے ہے کہ ''لفظ شماری اور مطلب برآری''، اس کا کوئی اصول نہیں ہے کہ محض لفظ گن لیے جائیں اور اسی نسبت سے کلام میں مفاہیم پیدا کر دیے جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہاں 'بَعْض' دو مرتبہ آیا ہے، مگر اس میں بھی شک نہیں ہے کہ اس کے باوجود یہاں ابتدا کا مفہوم یک طرفہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک 'بَعْض' مبدا ہے اور دوسرا مبدا منہ ہے اور اس صورت میں یہ بالکل محال ہے کہ اس ترکیب میں دونوں طرف کا مفہوم فرض کر لیا جائے۔ ہماری یہ بات کچھ فنی محسوس ہو تو اسے ہم آسان بھی کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ اس ترکیب میں پہلے 'بَعْض' کو 'الف' اور دوسرے کو 'ب' قرار دے دیا جائے اور اب کسی بچے سے اس کا لفظی مطلب پوچھ لیا جائے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ اس کا ترجمہ یہی کرے گا کہ اُن کا 'الف' اُن کے 'ب' میں سے ہے۔ وہ اس کا ترجمہ کبھی یہ نہیں کرے گا کہ 'الف' 'ب' میں سے اور 'ب' 'الف' میں سے ہے۔

حاصل بحث

اس تفصیل کے بعد اب ہم اس ساری بحث کو چند نکات میں بیان کر سکتے ہیں:

۱۔ سیدنا ابراہیم حضرت نوح کی اولاد ہیں۔ یہ ایک محکم تاریخ ہے اور ابراہیمی مذاہب کی تاریخ بھی اس کی پوری پوری تائید کرتی ہے۔

۲۔ قرآن کریم نے واضح ترالفاظ میں یہ کہتے ہوئے اس کی موافقت کی ہے کہ یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔

۳۔ جو لوگ اس کے خلاف ''انکشاف'' کر بیٹھے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ اپنے منطقی استدلال کے ذریعے سے اس کا اثبات نہ کریں، بلکہ قرآن کی کوئی صریح نص پیش کریں جس میں بیان کیا گیا ہو کہ ابراہیم نوح کی اولاد نہیں ہیں۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com